رئیس احمد جعفری

تأثرات

کسی زبان کو فروغ پانے میں اور مٹنے میں، ترقی کرنے اور زوال آشنا ہونے میں جڑ پکڑنے اور جڑ اکھڑنے میں مدتیں گزر جاتی ہیں۔ عربوں نے اندلس پر حکومت کی، وہاں کی سرکاری زبان عربی بن گئی۔ عربوں نے سسلی پر قبضہ کیا، وہاں بھی عربی سرائج ہو گئی۔ پھر اندلس اور سسلی سے یہ یک بینی و دو گوش عربوں کو نکلنا پڑا۔ عرب وہاں سے نکال دیئے گئے، ختم ہو گئے، مٹا دیئے گئے۔ لیکن اندلس اور سسلی سے عربی کو ختم کرنے اور مٹانے میں جگ بیت گئے۔ ان دونوں ملکوں کے عیسائی فاتح عرصہ دراز تک عربی کو دفتری اور سرکاری زبان بنائے رکھنے پر مجبور ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے جب آئے تو اپنے ساتھ اپنی زبان بھی لائے، اور یہ زبان سرکاری زبان بن گئی۔ لیکن جب مسلمانوں کا آفتاب اقبال گہنایا، اور انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ تو مسلمانوں کے اقتدار اور سطوت کو فنا کر چکنے کے باوجود ایک عرصہ دراز تک وہ فارسی کو سرکاری اور دفتری زبان بنائے رکھنے پر مجبور رہے۔ وائسرائے کے مراسلات فارسی زبان میں ہوتے تھے۔ حکومت کے فرامین کی زبان فارسی تھی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے والیانِ ریاست سے، عام اس کے کہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، جو معاہدے کئے، وہ فارسی زبان میں تھے۔ فرنگی استعمار کی طرف سے والیان ریاست کو جو خطابات عطا کئے گئے وہ بھی فارسی الفاظ کے جامے میں تھے۔ ہندوستان کی بربرآوردہ شخصیتوں کے لئے جو خطابات تجویز کئے گئے وہ بھی خان صاحب، خان بہادر، شمس العلما تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ انگریزی حاوی ہوتی گئی اور بالآخر فارسی ختم ہو گئی اور انگریزی نے اس کی جگہ لے لی۔

لیکن گو فارسی مغلوں کے دورِ حکومت میں دفتری اور سرکاری زبان تھی مگر چونکہ انہوں نے فاتح ہونے کے بعد اپنی قومیت تبدیل کر لی تھی یعنی وہ ہندوستانی ہو گئے تھے اس لئے کچھ ان کی شہ سے، کچھ عام میل جول سے، ایک عوامی زبان کی طرح پڑ گئی جس نے اردو نام پایا اور بہت جلد یہ زبان سارے ہندوستان کی "لنگوا فرینکا" بن گئی۔ بنگالی مرہٹی، گجراتی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور دوسری صوبائی وعلاقائی زبانیں اپنی حدود تک محدود رہیں مگر اردو ہر حصہ کی عام فہم زبان بن گئی۔ ایک اردو بولنے والا، ہندوستان کے ہر صوبہ میں اپنا ہر مطلب دوسروں کو سمجھا سکتا تھا۔ یہ اس کی ہمہ گیریت کی انتہا تھی۔ چنانچہ انگریز فارسی کو مٹا دینے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن کوشش بسیار کے باوجود اردو کو نہ مٹا سکے۔

تقسیم ہند کے وقت تک اردو سارے ہندوستان کی عوامی زبان بنی رہی۔ ہندو ریاستوں گوالیار، جے پور، بیکانیر، جودھ پور، ٹونک وغیرہ میں اردو ہی کا راج رہا۔ کانگرس کے مسلمانوں سے اور مسلم لیگ سے لاکھ اختلافات تھے مگر گاندھی جی، جواہر لال اور پٹیل سب نے یہ طے کر لیا اور اعلان کر دیا کہ آزاد ہندوستان کی سرکاری زبان "ہندوستانی" ہو گی۔ اور ہندوستانی زبان کی تشریح یہ کی کہ وہ زبان جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور فارسی و ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ اور یہ "ہندوستانی" نام بھی نیا نہیں ہے۔ اردو کے کئی نام ہیں، ان میں ایک ہندوستانی بھی چلا آ رہا ہے۔

لیکن تقسیم ہند کے معاً بعد ہندوؤں نے ہندوستانی یعنی اردو کے بجائے ہندی کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کر دیا اور اس اعلان کے ساتھ ہی اردو کا قتل عام بھی شروع کر دیا۔ وہ اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں سے نکالی گئی، اسٹیشنوں پر سے کھرچی گئی، ٹکٹوں پر سے اسے مٹایا گیا۔ غرض اسے فنا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

متحدہ ہندوستان میں مسلمان جن باتوں پر نبرد آزما تھے ان میں ایک اردو کا مسئلہ بھی تھا۔ بنگال کے فضل الحق، اور یو پی کے لیاقت علی خاں، اس بارے میں بالکل ہم زبان تھے۔ چنانچہ

تقسیم ہند کے بعد قائدِ اعظم نے ان گذشتہ مواعید کی روشنی میں اعلان کر دیا کہ اردو صرف اردو ہی پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔ لیاقت علیخاں بھی جب تک زندہ رہے اس اعلان کا اعادہ کرتے رہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار آئی انہوں نے اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی قومی زبان بنا لیا۔ اس طرح پاکستان کی دو قومی زبانیں ہوگئیں اردو اور بنگالی۔

لیکن پندرہ سال کی طویل مدت گذر جانے کے باوجود اور اردو کو قومی زبان تسلیم کر چکنے کے باوجود اب تک اسے سرکاری دفتروں میں داخلے کی اجازت نہیں ملی ہے اب تک کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسے ذریعہ تعلیم نہیں بنایا گیا ہے۔ اب تک ہمارے وزراء اور حکام والامقام عام طور پر نہ اردو میں تقریر کرتے ہیں نہ اردو میں مضامین لکھتے ہیں۔ اب تک عدالتوں کے فیصلے انگریزی میں ہوتے ہیں سکریٹریوں کے نوٹ انگریزی میں تحریر کئے جاتے ہیں، حکومت کے سرکاری اعلانات، اطلاعات، بیانات سب انگریزی میں ہوتے ہیں۔ دستور پہلے انگریزی میں چھپا، پھر اس کا ترجمہ شائع ہوا، یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اردو کو قومی زبان تسلیم کر چکنے کے باوجود اب تک اس کا مقام نہیں ملا۔ جب پاکستان میں یہ حالت ہے تو ہم کسی دوسرے کی شکایت کیا کر سکتے ہیں۔

بعض حلقوں سے اب تک کبھی مدھم سروں میں کبھی بلند آہنگی کے ساتھ فرمایا جاتا ہے کہ ابھی اردو میں یہ صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے کہ وہ دفتری زبان بن سکے یا اسے اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنایا جا سکے اور یہ باتیں وہ لوگ کہتے ہیں، جن کے سامنے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کارنامے موجود ہیں۔ حیدرآباد کی سرکاری زبان اردو تھی اور وہاں کا سارا دفتری کاروبار اردو میں ہوتا تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے کالجوں میں اردو ہی ذریعہ تعلیم تھی۔ ڈاکٹری، انجنیری، فلسفہ، سائنس، جملہ علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ اسی طرح جامعہ ملیہ میں بھی۔ اور ان دونوں یونیورسٹیوں کے اردو میں پڑھے ہوئے گریجویٹ امریکہ، لندن، پیرس اور برلن سے بڑی بڑی ڈگریاں لے کر امتیاز و اختصاص کے ساتھ اپنے

وطن آنے تھے اور جس سرکاری منصب پہ بھی متعین ہوتے تھے ان لوگوں سے بہتر طور پہ کام کرتے تھے جنہوں نے انگریزی کو اپنی زبان بنا لیا تھا۔ اگر عثمانیہ یونیورسٹی اور جامعہ ملّیہ میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جا سکتا تھا تو سندھ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی میں ایسا کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

اس تاخیر اور تذبذب کا ایک نہایت افسوسناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب اُردو کے خلاف محاذ قائم ہو رہے ہیں اور بعض حلقے اس کی قومی حیثیت کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اگر پندرہ سال اس چپقلش اور گومگو میں اور گذر گئے تو یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں کہ شاید پاکستان میں بھی اردو کا وہی حشر ہوگا جو ہندوستان میں ہو چکا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت ایک حقیقت پسند حکومت ہے وہ سطحی مفادات، اور سطحی جذبات کی آڑ لے کر حقائق کی روگردانی نہیں کرتی لہٰذا بجا طور پر اس سے یہ مطالبہ کرنے کا اہل پاکستان کو حق ہے کہ بغیر کسی تاخیر اور تعویق کے اردو کو اس کا حق دیا جائے۔